عدل گستری کے اسلامی ادارے

سید نظیر الحسن گیلانی ☆

اسلامی ریاست کے شہریوں کو بروقت اور بلا معاوضہ انصاف کی فراہمی کے لیے وقتاً فوقتاً قائم ہونے والے مختلف اداروں کی تشکیل و تنظیم کے لیے ٹھوس بنیادیں زمانہ نبوت میں ہی فراہم ہو گئی تھیں، بعد کے ادوار میں انہیں محکم بنیادوں پر استوار کیا گیا۔ اسلام کی اوّلین ریاست کے شہریوں کے درمیان جب کوئی امر باعث اختلاف و نزاع بنتا یا ان میں سے کسی کو پیش آمدہ مشکل رفع کرنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع فرماتے جو وحی الٰہی کے ذریعے اس اختلاف یا اشکال کو دور فرما دیتے۔ قرآن پاک کی آیت (وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًالِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتَابِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَاءَ کَ مِنَ الْحَقِّ)[1] میں بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد میں سے اسی اہم مقصد کی طرف اشارہ ملتا ہے اور آیت (فَلاَ وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا)[2] میں اپنے مشاجرات و تنازعات میں فیصلوں اور معاشرتی امور میں پیش آمد مشکلات کو حل کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع نہ کرنے والوں یا رجوع کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے والوں کے لیے محرومی ایمان تک کی شدید وعید ملتی ہے۔ اسلامی ریاست کی حدود میں اضافے کے باعث مخاصمات و تنازعات اور مسائل و مشکلات میں آئے روز ہونے والے اضافے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کی مختلف ولایات و امصار میں انتظامی ذمہ داریاں نبھانے والوں کو اپنی منصبی ذمہ داریاں نبھانے کے علاوہ ان کے حل کا بھی فریضہ تفویض فرمایا[3] اور بعض اوقات مختلف صحابہ کرام

☆ سیکرٹری، اسلامی نظریاتی کونسل، آزاد جموں و کشمیر

کو صرف یہی ایک ذمہ داری نبھانے کے لیے مامور فرمایا(۴) اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامِ عدل کے لیے ریاست کو کسی ایسے ادارے کا پابند نہیں بنایا جو ملک و ملت کے مصالح اور زمان و مکان کی ضرورتوں کا ساتھ دینے سے قاصر ہو، چنانچہ اجتہاد کی برکات کے سبب عصری تقاضوں کے مطابق ایسے ادارے وجود میں آتے رہے جن سے عوام کو حصولِ انصاف میں سہولت میسر آتی رہی۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ادارہ قضاء، ادارہ افتاء، آدارہ احتساب، ادارہ مظالم، ادارہ تحکیم،

ا۔ ادارۂ قضاء

اسلامی ریاست کے شہریوں کو انصاف کی فراہمی کے لیے قائم ہونے والا سب سے اہم ادارہ ''قضا'' کا ہے جس کی ابتدا ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہو گئی تھی۔ چنانچہ اسلامی ریاست کے سب سے پہلے تحریری دستور ''میثاق مدینہ'' کی دفعہ ۱۳ کے ذریعے یہ قرار دیا گیا کہ انصاف متضرر کے ہاتھ میں نہیں رہے گا بلکہ ساری ملت اسلامیہ کا فرض سمجھا جائے گا اور اس میں کسی کی رشتہ داری یا قرابت کا لحاظ نہیں برتا جائے گا۔ دفعہ ۲۳ کے ذریعے یہ قرار دیا گیا کہ ''ہر قسم کے تنازعات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رجوع کیا جائے گا اور آپ کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔ علاوہ ازیں اس وثیقے کی بہت سی دفعات میں عدل و انصاف کے بنیادی اصولوں کی تفصیل سے صراحت اسلامی قانون میں انفرادی انتقام کے بجائے ریاستی، سطح پر ایک مرکزی ادارے کے قیام کی ضرورت اُجاگر کرتی ہیں اور اس مرکزی ادارے ''قضا'' کے قیام کے لیے راہنمائی فراہم کرتی ہیں(۵)۔

قضاء کی تعریف

لغوی مفہوم(۶)۔ لغت میں لفظ ''قضا'' قضی، یقضی کا مصدر ہے اور لفظ ''قضاء'' کا لغوی اطلاق بہت سے معانی پر ہوتا ہے جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ا۔ اس سے مراد حکم لیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے: ''فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ''.

۲۔ اس سے ''ادا'' کے معنی مراد ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے: ''فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوداً وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ"(۷)۔

۳۔ اس سے ''بنانا اور مقرر کرنا'' مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: ''فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ''(۸)۔

۴۔ اس کا اطلاق ''لازم اور مکمل کرنے'' پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے: ''فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ''(۹)۔

۵۔ اس کا اطلاق کسی چیز کے ''پورا اور ہر لحاظ سے تمام'' کیے جانے پر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى''(۱۰)۔

عربی لغت کی مستند کتابوں میں اسی مفہوم کے دیگر متعدد لغوی معانی یہ واضح کرتے ہیں کہ عربی زبان میں ''قضاءٗ'' کا لفظ کسی کام سے فارغ ہونے، کسی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے اور کسی کام کی تکمیل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنی ضرورت پوری کر لینے کے لیے کہا جاتا ہے۔ ''قُضَيْتُ حَاجَتِيْ'' اپنے ذمے قرض کی ادائیگی کے بعد کہا جاتا ہے ''قَضَيْتُ دَيْنِي'' وغیرہ۔ چنانچہ باہمی تنازعات اور روزمرہ کے مخاصمات میں فیصلہ کرنے والے کو ہم ''قاضی'' اسی لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ باہمی تنازعات کا خاتمہ کرتا ہے، جھگڑوں میں فیصلہ دیتا ہے اور اس کے حکم سے معاملہ تمام اور پورا ہو جاتا ہے، عربی لغت کے مشہور عالم ابو منصور الازہری(۱۱) اپنی مشہور تصنیف ''تہذیب اللغت'' میں لفظ ''قضاءٗ'' کے لغوی معانی بیان کرنے کے بعد اسی آخری معنی کو قابل ترجیح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''لغت میں قضاءٗ'' کا اطلاق جن معانی پر بھی ہوتا ہے وہ سب کسی چیز کے پورا اور تمام ہونے کی طرف سے لوٹتے ہیں''(۱۲)۔

ثانیاً۔ قضاء کا اصطلاحی مفہوم

فقہاء اسلام نے قضاء کی اصطلاحاً جو تعریفات کی ہیں ان کی عبارات میں اگرچہ کافی اختلاف پایا جاتا ہے مگر سب تعریفات کا مفہوم ایک ہی جیسا ہے۔ چنانچہ مختلف مذاہب کے فقہاء کی اصطلاحی تعریفات ایک جیسے مفہوم پر ہی دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً

احناف

احناف میں سے بعض فقہاء نے قضاء کی یہ تعریف کی ہے: ''قضاء کا مطلب لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی روشنی میں حق و انصاف سے فیصلہ کرنا ہے''(۱۳)۔ فقہاء احناف ہی میں سے بعض کے نزدیک قضاء کا اصطلاحی مفہوم ''خصومات کا فیصلہ اور تنازعات کا خاتمہ کرنے کے ہیں''(۱۴) اور بعض دیگر کے نزدیک قضاء سے مراد ''وہ قول ہے جو حکم کو واجب العمل قرار دے اور جسے صرف صاحب اختیار شخص ہی جاری کر سکے''(۱۵)۔

مالکیہ

فقہاء مالکیہ میں سے بعض نے قضاء کی یہ تعریف کی ہے کہ: ''قضاء سے مراد الزامی حیثیت کے ساتھ شریعت کے حکم کو بیان کرنا ہے''(۱۶) اور بعض کے نزدیک ''قضاء وہ حکمی صفت ہے جو اپنے موصوف کے شرعی حکم کے نفاذ کو واجب کرتی ہے''(۱۷)۔

شوافع

فقہاء شافعیہ کی اکثریت نے قضاء کی یہ تعریف کی ہے کہ: ''قضاء سے مراد دو یا اس سے زیادہ خصوم کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کی روشنی میں ان کی خصومت کا فیصلہ کرنا ہے''(۱۸)۔

حنابلہ

فقہاء حنابلہ کی کثیر تعداد نے قضاء کی یہ تعریف کی ہے کہ: ''قضاء سے مراد شریعت کے حکم کو بیان کرنا اور اس کے مطابق خصومات کا ایسا فیصلہ کرنا ہے کہ فریقین اس پر عمل کرنا لازمی تصور کرتے ہوں''(۱۹)۔

قضاء کا اصطلاحی مفہوم واضح کرنے والی ان تمام تعریفات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ قضاء سے مراد لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے مخاصمات و مشاجرات کا فیصلہ کرنے اور محکوم علیہ کو اس فیصلے کا پابند بنانے کے ہیں۔ جہاں

تک قضاء کا اصطلاحی مفہوم واضح کرنے والی مختلف تعریفات میں استعمال ہونے والی عبارات میں اختلاف کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء میں سے بعض نے قضاء کی تعریف کرتے وقت اس قول کو اپنی تعریف کی بنیاد بنایا ہے جس کے ذریعہ قاضی فیصلہ کرتا ہے اور بعض نے اس قول کے ذریعہ اثر پذیر ہونے والے نتیجے یعنی لوگوں کے درمیان خصومات کے فیصلہ اور تنازعات کے خاتمے کو اپنی تعریف کی بنیاد بنا کر قضاء کی اصطلاحی تعریف کی ہے۔ قضاء کا اصطلاحی مفہوم واضح کرنے والی ان تعریفات سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ قضاء کا اصطلاحی مفہوم کافی حد تک قضاء کے لغوی مفہوم سے مماثلت رکھتا ہے۔ چنانچہ ہر دو مفاہیم قطع نزاع کے ذریعے لوگوں کے درمیان جنم لینے والے مخاصمات اور مشاجرات کو ختم کرنے پر ہی دلالت کرتے ہیں۔

ادارہ قضاء کا دائرہ عمل

اسلامی قانون میں باہمی تنازعات میں فیصلہ کرنے، جھگڑوں کو نمٹانے اور حقداروں کو اُن کے حقوق دلانے کی ذمہ داری بنیادی طور پر ادارہ قضاء ہی پر عائد ہوتی ہے۔ علامہ منصور البہوتی[۲۰] کہتے ہیں: ''ولایت حکم عام یعنی جس قضاء کی کسی خاص حالت سے تخصیص نہ کی گئی ہو کی رو سے خصومات اور اس سے متعلقہ تمام امور کے فیصلے ہوتے ہیں اور اس قسم کی قضاء یعنی قضاء عام کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ خصومات میں فیصلے کرے، تنازعات کو نمٹائے اور حقدار کو اس کا حق دلائے اور یہی قضاء عام کا مقصود ہے''[۲۱] علامہ علاؤ الدین طرابلسی[۲۲] رقمطراز ہیں: ''کسی عہدے کے دائرہ عمل کا عام یا خاص ہونا اس عہدے کی ذمہ داری سپرد کرنے والے کے الفاظ، عام طور پر معمول صورت حال اور عرف جاری پر منحصر ہوتا ہے اور اسلامی قانون اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں کرتا۔ چنانچہ بعض اماکن اور حالات میں ادارہ قضاء کی ذمہ داریاں لامحدود ہو سکتی ہیں اور بعض میں صرف احکام شریعت کے نفاذ پر محدود رکھی جا سکتی ہیں۔ اس لیے ہر علاقے میں ادارہ قضاء کا دائرہ عمل وہاں معمول صورت حال اور عرف جاری کے مطابق ہی ہوگا''[۲۳]۔

اگر ادارہ قضاء کے دائرہ عمل کی تحدید نہ کی گئی ہو تو اس ادارے کے فرائض میں

مندرجہ ذیل امور شامل ہوں گے[۲۴]۔

۱۔ ریاست میں شریعت کی مقرر کردہ حدود کے نفاذ کے لیے سربراہ ریاست کی نمائندگی کا فریضہ ادا کرنا۔ اگر معاملہ حدود اللہ سے متعلق ہو تو بغیر اس کے کہ کوئی اس حد کے قیام کا دعویٰ دائر کرے یہ ادارہ مجرم کے اقرار یا شہادت کی روشنی میں حدود اللہ میں سے کسی بھی حد کے نفاذ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک حقوق العباد سے متعلق معاملات کا تعلق ہے تو یہ ادارہ اس وقت تک ایسے کسی معاملہ میں فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں جب تک حقوق العباد میں سے کسی حق کا طالب خود ملزم کے خلاف اپنا معاملہ عدالت میں پیش نہ کر دے[۲۵]۔

۲۔ تنازعات میں فیصلہ کرنا، جھگڑوں کو نمٹانا اور عداوتوں کو ختم کرنا۔

۳۔ مکر و فریب کے ذریعے لوگوں کے حقوق غصب کرنے والوں سے ایسے غصب شدہ حقوق حاصل کر کے مستحقین تک پہنچانا۔ اگر وہ حقوق قرض وغیرہ کی صورت میں ہوں تو مقروض کو قرض دار کا حق ادا کرنے پر مجبور کرنا اور ضرورت محسوس ہونے پر اسے قید کرنا اور اگر یہ حقوق اشیاء کی شکل میں ہوں اور دوسرا فریق از خود ان کے واپس کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو اس سے جبراً وہ حقوق وصول کر کے مستحقین تک پہنچانا۔

۴۔ اولیاء النسب موجود نہ ہونے کی صورت میں مدیون اور صغیر کی سرپرستی کا فریضہ سرانجام دینا[۲۶] اور سفیہ و مفلس کے مالی تصرفات پر ان کے اموال کی حفاظت اور ان کی بہتری کے لیے پابندی عائد کرنا[۲۷]۔

۵۔ یتیم لڑکی کا ولی نہ ہونے یا ولی ہونے مگر اس کے اپنی زیرِولایت یتیمہ کا نکاح نہ کروانے کی صورت میں یتیمہ کے کفو سے اس کا نکاح کروانا[۲۸]۔

۶۔ اگر اوقاف کسی ناظر کی تحویل میں ہو تو اس کی نگرانی کرنا اور اگر اوقاف کا کوئی ناظر مقرر نہ ہو تو اس کی نگہداشت و حفاظت کرنا[۲۹]۔

۷۔ شرعی حدود کے اندر رہ کر وفات پانے والے کی وصیت کو اس کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق نافذ کرنا۔ اگر وصیت کسی معین شخص کے بارے میں ہو تو اس صورت میں یہ ادارہ موصی کی وصیت کے مطابق اس معین شخص کو وصیت شدہ چیز کا قبضہ دلانے کا ذمہ دار ہوگا اور اگر موصی نے اپنی وصیت میں کسی خاص شخص کا تعین نہ کیا ہو تو موصی کی خواہش کے

مطابق خود تحدید کر کے وصیت شدہ چیز کا قبضہ دلائے گا۔
۸۔ میّت کے ترکہ میں سے قرض کی ادائیگی، وصیت کے اجراء اور نابالغ کے مال کی حفاظت کے لیے نگران (وصی) مقرر کرنا۔
۹۔ غائب اور مفقود الخبر کے اموال کی حفاظت کرنا۔
۱۰۔ شہریوں کے درمیان طے پانے والے مختلف عقود مثلاً نکاح، بیع و شراء، رہن، مزارعت وغیرہ کی نگرانی کرنا اور کسی اختلاف کی صورت میں ان عقود کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرنا اور اختلاف کو نمٹانا۔
۱۱۔ عام شاہراؤں اور عمومی مفاد کے لیے متعین جگہوں پر لوگوں کی دست درازی روکنا اور ایسی تعمیرات سے منع کرنا جو عام شاہراہ پر یا حکومت کی طرف سے عام مفاد کے لیے مختص جگہ پر کی گئی ہو[۳۰]۔
۱۲۔ حقوق ملکیت مثلاً راہ گیری کے حقوق، پانی کے حقوق، حقوق طباعت وغیرہ میں جھگڑوں کی صورت میں فیصلے کرنا، زمینوں کی حد بندی، نہری پانی کی تقسیم اور شفعہ وغیرہ کے معاملات کو طے کرنا۔
۱۳۔ اپنے ہمراہ متعین معاونین کی نگرانی کرنا، ان کے کردار اور چال چلن سے آگاہ رہنا، اگر وہ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہوں تو ان کی حوصلہ افزائی کرنا اور اگر ان کی طرف سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی تقصیر ہو رہی ہو تو ان کو تبدیل کر کے ان کی جگہ زیادہ قابل اعتبار اور اہل لوگوں کو اپنا معاون مقرر کرنا۔
۱۴۔ عام مفاد سے متعلق امور مثلاً مساجد کی تعمیر، سڑکوں کی تعمیر و اصلاح، عام مفاد کے لیے مختص جگہوں کے اِرد گرد چار دیواری اور دریاؤں پر پلوں کی تعمیر پر نظر رکھنا۔

۲۔ ادارہ افتاء۔

افتاء کا لغوی مفہوم[۳۱]:

افتاء فتویٰ سے باب افعال کا مصدر ہے اور لغت میں فتویٰ سے مراد ''بیان کرنے کے ہیں''۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''فلاں عالم سے اس مسئلہ میں فتویٰ دریافت کیا گیا تو اس نے

یہ فتویٰ دیا''، یعنی یہ کہ اس نے دریافت کرنے والے کے مطلوبہ مسئلہ کا یہ حکم بیان کیا۔

افتاء کا اصطلاحی مفہوم

شریعت میں افتاء سے مراد شارع کے حکم کے غیر الزامی حیثیت میں بیان کرنے کے ہیں[۳۲]۔ عدل گستری کے اسلامی اداروں میں ادارہ افتاء کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں یہ ادارہ عوام کو رشد و ہدایت کا راستہ دکھا کر بے اعتدالی سے روکتا ہے اور فوری انصاف کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔ عوام روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل و مشکلات اور تنازعات کے حل کے لیے اس ادارے سے رجوع کر سکتے ہیں۔ اگر فریقین اس ادارہ کی رائے قبول کر لیں تو وہ عدالتی کارروائیوں میں الجھنے سے بچ جاتے ہیں اور اس طرح نہ صرف ان کے اپنے وقت اور صلاحیتوں کا ضیاع نہیں ہوتا بلکہ عدالتوں پر سے بھی مقدمات کا بوجھ کم ہوتا ہے، جس کا براہ راست فائدہ پورے معاشرے کو پہنچتا ہے۔ عدل گستری کے اسلامی اداروں میں ادارہ افتاء کی اسی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر مصر کے نامور قانون دان استاد محمد ابو زہرہ'' یہ فریضہ سرانجام دینے والے کے لیے تین امور کی پابندی ضروری قرار دیتے ہیں:

☆ پہلا۔ وہ مضبوط دلائل کی بنیاد پر ہی کسی رائے کو اپنائے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے فقہی مسلک کی اس رائے کو ترجیح دے جو قوی دلیل پر مبنی ہو، غیر معقول رائے کی پیروی نہ کرے اور وہ جس مسلک کو قابل ترجیح سمجھتا ہو اس کے مناہج سے بخوبی واقف ہو اور مجتہدانہ صلاحیتوں سے بہرہ مند ہو۔

☆ دوسرا۔ بقدر الامکان اجتہاد کے ذریعہ کسی اختلافی رائے کے لیے اجتماعی رائے کو چھوڑنے والا نہ ہو۔ مثال کے طور پر یہ ذمہ داریاں نبھانے والے ایک ایسے شخص سے جو مختلف مسالک کا علم رکھتا ہو اگر کسی عورت کے از خود اپنا نکاح کرنے کے بارے میں فتویٰ لیا جائے تو وہ اس معاملے میں جمہور فقہاء اسلام کے مقابلے میں حضرت امام ابو حنیفہ[۳۳] کی انفرادی رائے کو نہ اپنائے بلکہ جمہور فقہاء کی رائے کی بنیاد پر فتویٰ دے۔ ہاں اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ جمہور کی رائے کو اختیار کرنے کی وجوہات بیان کرنے کے ساتھ

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے بھی بتا دے اور ساتھ یہ وضاحت کر دے کہ چونکہ اس مسئلے کا تعلق حلال و حرام جیسے پیچیدہ مسائل سے ہے۔ اس لیے اس میں احتیاطی پہلو کو اپنانا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔

☆ تیسرا۔ لوگوں کی خواہشات کے مطابق فتویٰ نہ دے بلکہ یہ فریضہ ادا کرتے وقت معتبر شرعی مصالح اور معقول دلائل کو پیش نظر رکھے۔

وہ لکھتے ہیں: ''اور علماء کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ فتویٰ دینے والا متعلقہ مسئلے میں خود بھی اپنے فتویٰ پر عمل کرنے والا ہو۔ اگر وہ لوگوں کے لیے ناجائز قرار دیئے جانے والے امور میں اپنے لیے جواز کا قائل ہو تو وہ اپنی دیانتداری کھو دے گا الا یہ کہ اس طرح کی رعایت کسی ایسے شخصی عذر کے سبب ہو جو دوسروں میں نہ پایا جاتا ہو۔

یہ فریضہ انجام دینے والے پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ متحمل مزاج ہو، جلد بازی سے کام نہ لے، وہ حق و سچائی تک پہنچنے کے لیے غور و فکر کرے۔ اپنے فتویٰ کے نتائج اور فتویٰ پوچھنے والے کے حالات کو پیش نظر رکھے۔ کسی معاملے کے ملتوی رکھے جانے کی ضرورت کے علاوہ فتویٰ صادر کرنے میں تحمل سے کام لینا کوئی معیوب بات نہیں۔ حضرت امام مالکؒ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ فتویٰ صادر کرنے میں غیر معمولی احتیاط برتتے تھے، حتیٰ کہ کئی روز بعد کسی مسئلے کا جواب دیتے تھے۔ اس بارے میں ان کا ارشاد تھا کہ میرے پاس کوئی ایسا مسئلہ بھی پیش ہو سکتا ہے جس پر رائے دینے کے لیے مجھے کئی روز تک کھانے، پینے اور آرام کرنے وغیرہ کا بھی وقت نہ مل پائے۔ ان سے یہ کہا گیا کہ آپ کی بات تو پتھر پر لکیر ہوتی ہے اور عوام تو آپ کے فتویٰ پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میری یہی حیثیت فتوے کے معاملے میں مکمل احتیاط اور غیر معمولی ٹھہراؤ کا تقاضا کرتی ہے''۔

ادارہ افتاء کی اسی غیر معمولی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے استاد محمد ابو زہرہ مزید لکھتے ہیں: ''درحقیقت یہ ذمہ داری نبھانے والا انبیاء کی سی ذمہ داری نبھاتا ہے۔ چنانچہ پیغمبرؐ بھی لوگوں کے لیے حرام اور حلال کو واضح فرماتے تھے، وہ ان تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پہنچاتا ہے اور اس حیثیت میں وہ اسی طرح ہے جیسے وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی مجلس میں بیٹھا ہو اور عام لوگوں تک دین کے احکام پہنچانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہو۔ اس لیے اسے یہ ذمہ داری نبھاتے وقت کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف دامنگیر نہیں ہونا چاہیے''(۳۴)۔

قضاء اور افتاء میں فرق

افتاء کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم سے یہ واضح ہے کہ قضاء میں تو شارع کا حکم اس صورت میں بیان ہوتا ہے کہ وہ الزامی حیثیت رکھتا ہے جب کہ افتاء میں اس کی الزامی حیثیت کوئی بھی نہیں ہوتی۔ اس طرح قضاء اور افتاء میں اس لحاظ سے مماثلت پائی جاتی ہے کہ ہر دو میں شارع کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر دو میں بعض وجوہات کی بنیاد پر فرق پایا جاتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

وجہ اوّل

قاضی کا فیصلہ الزامی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی رو سے فریقین اس امر کے پابند ہو جاتے ہیں کہ وہ اس فیصلہ کے مطابق عمل کریں۔ جب کہ اس کے برعکس مفتی کی فتوے کو الزامی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ مفتی کے فتوے کو قبول کرنے یا اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے میں مستغنی آزاد ہوتا ہے۔ علامہ ابن القیمؒ(۳۵) اپنی مشہور تصنیف ''اعلام الموقعین'' میں فرماتے ہیں: ''مفتی کا عمل قاضی کے عمل کی نسبت سلامتی سے قریب تر ہے اس لیے کہ اس کے قول کی پابندی لازمی نہیں ہوتی بلکہ وہ فتویٰ دریافت کرنے والے کو صرف شریعت کے حکم سے آگاہ کرتا ہے اور پھر یہ فتویٰ دریافت کرنے والے ہی کی صوابدید پر ہے کہ وہ مفتی کا قول قبول کرے یا اس کو ترک کر دے۔ جہاں تک قاضی کا تعلق ہے تو اس کے قول کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ پس شریعت کے حکم سے آگاہ کرنا قاضی اور مفتی میں قدر مشترک ہے اور قاضی کے قول کی پابندی اور اس کا لازمی ہونا اسے مفتی سے ممیز کرتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قضاء کا منصب زیادہ خطرناک حیثیت کا حامل ہے''(۳۶)۔

وجہ ثانی

افتاء میں مفتی مستفتی کے مسئلہ کی چھان بین کے بعد شرعی دلائل کی روشنی میں مطلوبہ مسئلے کے حکم سے آگاہ کرتا ہے۔ جب کہ قضاء میں قاضی کے فیصلہ کا دارومدار ثبوت کی فراہمی پر ہوتا ہے اور قاضی شہادت، اقرار اور ثبوت کے دیگر ذرائع کے استعمال کے بعد ہی کوئی حکم صادر کر سکتا ہے۔ اس طرح پیش ہونے والے مسئلے کی تہہ تک پہنچنے اور اصل حقیقت کا علم حاصل کرنے کے لیے قاضی کو مفتی کی نسبت زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔ اسی لیے قاضی میں درجہ کمال کی سوجھ بوجھ اور فہم و فراست کا پایا جانا از حد ضروری ہے۔ جب کہ مفتی میں اگر یہ صفات مفقود بھی ہوں تو بھی کوئی حرج نہیں ہوتا۔ مشہور مالکی عالم علامہ القرافیؒ (۳۷) فرماتے ہیں کہ ''ایک انسان حلال و حرام وغیرہ کے بارے میں تو پورا علم رکھ سکتا ہے لیکن صحیح سمجھ بھی رکھنا اور اس کے ذریعے کسی مقدمہ کے دو فریقین کی طرف سے اپنے آپ کو برحق ثابت کرنے کے لیے مکر و فریب کے ہتھکنڈوں کو پہچاننا اور صحیح قول کے پرکھنے کی صلاحیت رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اور اس کے لیے عظیم فراست، بلند پایہ فہم، کمال چالاکی اور مہارت کی صفات کے ساتھ ساتھ اللہ جل شانہٗ کی تائید و حمایت بھی درکار ہوتی ہے''(۳۸)۔

وجہ ثالث

قضاء میں قاضی اپنی عدالت میں پیش ہونے والے معاملہ کی تحقیقات کے بعد حکم صادر کرتا ہے اور اس کا یہ حکم کسی خاص شخص ہی کے لیے الزامی حیثیت رکھتا ہے جبکہ افتاء میں مفتی احکام شریعت کی روشنی میں مستفتی کے فتوے کا جو جواب دیتا ہے وہ نہ صرف مستفتی کے لیے مطلوبہ مسئلہ میں شریعت کا حکم ہوتا ہے بلکہ اس نوعیت کے ہر مسئلہ میں وہی حکم رہتا ہے۔ چنانچہ افتاء میں فتویٰ کا دائرہ اثر قضاء کی طرح کسی خاص شخص تک محدود نہیں ہوتا بلکہ مستفتی اور دیگر سب کے لیے اس نوعیت کے مسئلے کا وہی شرعی حکم ہوتا ہے۔ علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ ''مفتی اپنے فتوی کے ذریعے شریعت کا عام حکم بیان کرتا ہے کہ اگر کسی نے یہ فعل کیا تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا اور اگر کسی نے یہ کہا تو اس کا یہ اثر ہوگا۔ جبکہ قاضی

اپنے پاس پیش ہونے والے مقدمہ میں کسی متعین شخص ہی کے لیے شریعت کے حکام کی روشنی میں حکم صادر کرتا ہے اور اس کا فیصلہ اسی شخص ہی کے لیے خاص اور پابندی کے قابل ہوتا ہے۔ جب کہ مفتی کا مفتویٰ ہر ایک کے لیے عام اور غیر الزامی حیثیت کا حامل ہوتا ہے"(۳۹)۔

وجہ رابع

واجب، حرام، مباح، مکروہ اور مستحب سے متعلق تمام شرعی احکام میں فتویٰ حاصل کیا جا سکتا ہے، جب کہ قضاء کا دائرہ کار واجب، حرام اور مباح تک محدود ہوتا ہے اور مکروہ و مستحب امور قضاء کے دائرہ کار میں نہیں آتے(۴۰)۔

۴۔ ادارۂ احتساب

صدر اسلام میں اسلامی معاشرہ میں دین کی طرف رجحان غالب تھا اور معاشرہ میں متعدد ان برائیوں نے جنم نہیں لیا تھا جو بعد میں ظہور پذیر ہوئیں، چنانچہ اس وقت لوگوں کے درمیان واقع ہونے والے تنازعات بہت محدود ہوتے تھے۔ زیادہ تر چند مشتبہ امور میں وضاحت اور شریعت کا حکم حاصل کرنے کے لیے ہی عدل گستری کے لیے کسی ادارے کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور جب قاضی کے فیصلے یا مفتی کے فتوے کے ذریعے مطلوبہ حکم واضح ہو جاتا تو لوگ اپنی رضا و رغبت سے خود ہی اس حکم کو اختیار اور اپنے اُوپر نافذ کر لیتے لیکن جب اسلامی معاشرہ میں دین کا غلبہ ماند پڑ گیا اور لوگوں پر مادہ پرستی غالب آ گئی تو صورت حال بالکل بدل گئی، چنانچہ معاشرے میں امن و امان قائم رکھنے، ظلم و ناانصافی کا خاتمہ کرنے، حق دار کو اس کا حق دلانے اور معاشرہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فروغ کے لیے قضاء اور افتاء کے اداروں تک محدود رہنا ممکن نہ رہا بلکہ حکومت کو عدل گستری کے لیے بعض اور ادارے بھی قائم کرنا پڑے، انہی اداروں میں ایک احتساب کا ادارہ بھی تھا جسے "حسبہ" سے موسوم کیا گیا۔

حسبہ کا لغوی مفہوم[۴۱]

لغت میں ''حسب'' کے معنی شمار کرنے اور حساب کرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ "فلان لا یحتسب بہ" کہ فلاں اس کے مقابلے میں کسی حساب میں ہی نہیں۔ اسی نسبت سے ''حاسب'' حساب دان کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: "مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ"[۴۲] کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہاں وہاں سے رزق کا انتظام کرتا ہے جو اس کے حساب میں ہی نہیں ہوتا۔ اسی نسبت سے محتسب اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کے ساتھ حساب طلبی پر مامور ہو، اس کے علاوہ لغت میں ''حسبۃ'' اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کا ذخیرہ کرنے اور انکار کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور کسی کام کو بہتر طور پر سرانجام دینا بھی اس کا ایک لغوی مفہوم ہے۔

حسبہ کا اصطلاحی مفہوم[۴۳]

فقہاء اسلام ''حسبہ'' کا اصطلاحی مفہوم متعین کرتے ہوئے اس امر پر متفق ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں اعلانیہ طور پر کسی اچھائی کو ترک کرنے اور برائی کا مرتکب ہونے سے روکنے کو ''حسبہ'' کہتے ہیں یا بالفاظ دیگر عوام اگر اچھائی اور بھلائی کے ضمن میں اسلام کے متعین شدہ راستے پر چلنا چھوڑ دیں اور اعلانیہ طور پر بدی اور برائی کا راستہ اپنا لیں تو اس صورت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا ''حسبہ'' کہلاتا ہے اور جو ادارہ اس سے عہدہ برا ہوتا ہے اسے احتساب کا ادارہ کہا جاتا ہے۔ عدل گستری کے اسلامی اداروں میں سے یہ ادارہ معاشرے میں برائی اور بے حیائی کے خاتمے اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے فروغ کا ذمہ دار ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"[۴۴] یہ آیت کریمہ اور اسی مفہوم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے اگر یہ نہ ہو سکے تو زبان سے اسے برا کہے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''[۴۵] پوری

اُمتَ کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے کا مکلف بناتے ہیں اور اولیاء امور کو اس امر کا پابند کرتے ہیں کہ جہاں اچھائی اور بھلائی کے فروغ اور بدی و برائی کے سد باب کے لیے انفرادی کاوشیں کارگر نہ ہوسکیں وہاں اس امر کی بجا آوری کے لیے احتساب کا ادارہ متحرک ہو جائے۔ صدر اسلام میں خلیفہ وقت احتساب کی یہ ذمہ داری خود نبھاتا تھا۔(۴۶) جب خلیفہ کی ذمہ داری میں اضافہ ہوگیا اور پھر دیگر اہم حکومت امور کی وجہ سے خلیفہ کے لیے اس منصب کے فرائض کی بھی ادائیگی مشکل ہو گئی تو یہ ذمہ داری ادارہ قضاء کے سپرد کر دی گئی۔ بعد کے ادوار میں ادارۂ قضاء پر کام کا بوجھ بہت زیادہ بڑھ گیا تو حسبہ کے نام سے عدل گستری کے لیے یہ مستقل ادارہ وجود میں آیا۔

حسبہ کا تعلق چونکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ہے، اس لیے محتسب صرف ان امور میں فیصلہ کرتا ہے جو واضح اور معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ایسے کسی معاملے کا فیصلہ کرنے کے لیے محتسب کی عدالت میں دعویٰ ضروری ہو بلکہ محتسب اپنے اختیارات کی حدود میں رہتے ہوئے خود بھی کسی معاملہ کی چھان بین اور اس میں فیصلہ کر سکتا ہے اور اس کے لیے اسے شہادت وغیرہ لینے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی(۴۷)۔

ادارۂ احتساب کا دائرہ عمل(۴۸)

اس ادارے کے دائرہ عمل میں ان تمام اچھے اور نیک کاموں کا حکم دینا ہے جنہیں لوگ ہمیشہ سے نیکی اور فلاح کے افعال سمجھتے آئے ہوں۔ اگر کسی وجہ سے انہوں نے ایسے افعال کی ادائیگی ترک کر دی ہو اور تمام ان برے کاموں سے روکنا ہے جن کی برائی واضح ہو اور جنہیں ہمیشہ سے قابل مذمت اور منکر سمجھا جاتا رہا ہو، اگر کسی وجہ سے لوگوں نے ایسے افعال اپنا لیے ہوں تو ان تمام افعال کے لیے فقہاء نے ''معروف'' و''منکر'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ محتسب کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کو اجتماعی اور انفرادی جملہ امور میں معروف کو اپنانے اور ''منکر'' سے بچنے کا حکم دے اور افراد کے اجتماعی و انفرادی جملہ حقوق کے تحفظ کا اہتمام کرے۔ اس لحاظ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے ادارہ احتساب کے دائرہ عمل میں بعض امور حقوق اللہ سے متعلق ہیں اور

بعض حقوق العباد سے متعلق اور بعض حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان مشترک۔ تفصیل درج ذیل ہے:

اوّلاً: حقوق اللہ سے متعلق دائرہ عمل

۱۔ شرعی شرائط کے مطابق پائے جانے کی صورت میں نماز جمعہ کے قیام کی نگرانی کرنا، مساجد میں پنجگانہ نماز کے مقرر شدہ اوقات کے مطابق نگرانی اور لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دینا اور جو بغیر کسی عذر شرعی کے نماز میں شامل نہ ہو اس کی جواب طلبی کرنا اور مناسب حال سزا دینا۔ اس طرح صاحب نصاب لوگوں کے زکٰوۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں ان کی جواب طلبی کرنا اور مناسب حال سزا دینا۔

۲۔ جاہل لوگوں کو امور شریعت میں فتوے دینے سے روکنا۔ اسی طرح اگر کوئی عالم ایسا فتویٰ دے جو شرعی نصوص کے خلاف ہو یا اجماع اُمت سے متعارض ہو اور دیگر علماء کے نزدیک بھی قابل رد ہو تو ایسے فتویٰ کو مسترد کرنا اور ایسا فتویٰ دینے والے سے باز پرس کرنا اور آئندہ کے لیے اسے ایسے فتوے جاری کرنے سے منع کرنا۔

۳۔ لوگوں کو شراب نوشی اور دیگر منشیات کے استعمال سے منع کرنا اور اس امر کی سختی سے نگرانی کرنا کہ معاشرے میں منشیات کے کاروبار فروغ نہ پائیں اور اس قسم کا کاروبار کرنے والوں سے سختی سے نمٹنا۔ اسی طرح لوگوں کو ایسے مشتبہ امور میں ملوث ہونے سے باز رہنے کی تلقین کرنا جس سے کسی کا چال چلن اور کردار مشکوک نظر آئے۔

ثانیاً: حقوق العباد سے متعلق دائرۂ عمل

۱۔ ہمسایوں کے حقوق پر دست درازی سے روکنا۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے ہمسائے کے مکان یا زمین کی حدود میں تجاوز کرے یا اس کے مکان کی دیوار سے متصل گڑھا کھودے جس سے اس کی دیوار گرنے کا اندیشہ ہو یا اپنے مکان کی کھڑکیاں، دروازے وغیرہ اس طرح رکھے کہ ہمسائے کی خلوت متاثر ہو رہی ہو یا اپنے مکان میں کوئی ایسا کام شروع کرے جیسے تنور نصب کر دے جس کے دھوئیں سے ہمسائے کو ایذا پہنچتی ہو یا ایسی مشینری نصب کر دے جس کی آواز سے ہمسائے متاثر ہوتے ہوں، وغیرہ تو محتسب کی یہ ذمہ داری

ہوگی کہ وہ ہر ایک شخص کو ان تمام تصرفات سے روکے جس سے اس کے ہمسائے کو ایذا پہنچتی ہو اور وہ ان تصرفات سے پریشان ہوتا ہو۔

۲۔ صاحب عمل اور مزدور کے حقوق کی حفاظت کرنا، چنانچہ اگر صاحب عمل مزدور کو اس کے کام کی مزدوری پوری پوری نہ ادا کرے یا اس کی ادائیگی میں تاخیر سے کام لے یا اسے کم مزدوری میں زیادہ کام کرنے پر مجبور کرے تو صاحب عمل کو اس سے باز رکھنا محتسب کی ذمہ داری ہوگی۔ اسی طرح اگر مزدور اپنے کام میں کوتاہی کرے یا زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے تو اسے بھی اس سے باز رکھنا محتسب ہی کا فرض ہے۔

۳۔ اساتذہ، اطباء اور دیگر تمام پیشہ وروں کی نگرانی کرنا اور ان میں جو اپنے علم و تجربہ کی بناء پر نیک شہرت کا حامل ہو ان سے کوئی تعرض نہ کرنا اور جو کسی پیشہ میں مہارت نہ رکھتا ہو بلکہ لوگوں کو یونہی دھوکہ دے رہا ہو اس کو وہ پیشہ اختیار کرنے سے روکنا۔

ثالثاً: حقوق اللہ اور حقوق العباد میں مشترک امور سے متعلق دائرہ عمل

۱۔ کھانے، پینے، پہننے اور دیگر روزمرہ استعمال کی اشیاء میں ملاوٹ کی روک تھام، ناپ تول میں استعمال ہونے والے پیمانوں کی دیکھ بھال اور ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی سرزنش کرنا۔

۲۔ جعلسازی، دھوکہ دہی، نوسربازی، سود خوری، اور جوا بازی جیسے جملہ معاملات کی روک تھام اور ایسا کرنے والوں کو سزا دینا۔

۳۔ شاہراہوں پر ناجائز تجاوزات کو روکنا اور ایسے تجاوزات کو مسمار کروانا۔

۴۔ راستوں اور بازاروں وغیرہ میں عوام کے لیے تکلیف کا باعث بننے والے مکانوں کی چھتوں، پانی کی نالیوں اور غلاظت کے اماکن کی روک تھام۔

۵۔ قسمت کا حال بتانے اور فضول کھیلوں کو ذریعہ معاش بنانے سے منع کرنا اور اس قسم کے لین دین میں ملوث افراد کی سرزنش کرنا۔

۶۔ حیوانوں کے مالکوں کو ان کے غلط استعمال اور ان کی طاقت سے زیادہ بار برداری کروانے والوں کو منع کرنا۔

۷۔ انسانوں اور جانوروں کے خصی کرنے سے منع کرنا اور ایسا کرنے والوں کو سزا دینا۔

۸۔ کشتیوں کے مالکوں کو گنجائش سے زیادہ وزن لادنے سے روکنا۔

۹۔ عورتوں اور مردوں کے درمیان فیصلہ کے شرعی احکامات کی پابندی پر نظر رکھنا۔ چنانچہ محتسب بازار میں ایسے تاجروں کے سیرت و کردار اور چال چلن پر نظر رکھنے کا ذمہ دار ہوگا جو عورتوں کے ساتھ لین دین کرتے ہیں اور اگر ایسا کرنے والوں میں سے کوئی شرعی احکامات کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا تو اسکے خواتین کے ساتھ کاروبار پر پابندی عائد کرے گا اور اسے سزا دے گا۔

۱۰۔ مساجد کے ائمہ کو سنت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فرض نمازوں میں لمبی قرأت سے منع کرنا۔

۱۱۔ حکومت کے افسروں اور اہلکاروں کو بغیر کسی شرعی عذر کے اہل حاجت سے ملاقات نہ کرنے پر تنبیہ کرنا اور بغیر کسی معقول عذر کے اہل حاجت کے معاملات میں تاخیر کرنے والوں کو سزا دینا۔

۱۲۔ طلبہ کو بے رحم طریقہ سے سزا دینے سے اساتذہ کو روکنا۔

احتساب کے ادارہ کے دائرہ عمل کی اس تفصیل سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ادارہ اس لحاظ سے ادارہ قضاء ہی کی طرح ہے کہ اس میں بھی مظلوم کی دادرسی کی جاتی ہے۔ تاہم ان دونوں اداروں کے درمیان یہ فرق ہے کہ محتسب کے دائرہ اختیار میں وہ امور داخل ہیں جو نظر آنے والی برائی اور مسلمہ حقوق سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں تک ایسے معاملات کا تعلق ہے جن کو ثابت کرنے کے لیے شرعی دلائل اور گواہوں وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ محتسب کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ علاوہ ازیں ادارہ قضاء کے برعکس اس ادارہ کے لیے برائی کو روکنے اور بھلائی کا حکم دینے کی کارروائی کرنا کسی فریق کی جانب سے دعویٰ دائر کرنے اور خصوم کے عدالت میں پیش ہونے پر موقوف نہیں ہوتی۔ اس طرح جہاں ادارہ قضاء میں فرائض سرانجام دینے والے قاضی کے لیے نرم خو، سنجیدہ مزاج اور باوقار ہونے کی صفات مرغوب ہوتی ہیں وہاں لوگوں کو برائی سے روکنے اور بھلائی کا حکم دینے کے لیے اس ادارہ میں فرائض سرانجام دینے والے محتسب کے لیے سخت گیری اور

رعب و دبدبہ کا حاصل ہونا پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح قضاء اور احتساب کے ہر دو ادارے اگرچہ شہریوں کے حقوق کے محافظ ہیں مگر احتساب کا ادارہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اسے حق تلفی کی صورت میں از خود مداخلت کا اختیار ہے۔ علاوہ ازیں محتسب کو مفوضہ فرائض کی ادائیگی کے لیے اس کا بارعب اور مجرموں کے لیے دہشت اور خوف کی علامت ہونا پسندیدہ شمار ہوتا ہے۔ جبکہ قاضی کو مفوضہ فرائض کی ادائیگی کے لیے اس کا باوقار، متحمل مزاج اور بردبار ہونا پسندیدہ تصور ہوتا ہے۔ علامہ ماوردیؒ(۴۹) فرماتے ہیں: ''منکرات کے ازالہ کے لیے محتسب کو جو وسیع اختیارات حاصل ہیں وہ عام قاضی کو نہیں۔ چنانچہ حسبۃ رعب و دبدبہ سے عبارت ہے اور اسی لیے اس میں محتسب کا سخت گیر اور رعب و دبدبہ کا حامل ہونا کوئی معیوب امر نہیں۔ جب کہ عام قضاء میں لوگوں کو انصاف فراہم کرنے کی خاطر قاضی کے لیے نرم خو، باوقار اور سنجیدہ مزاج ہونا ضروری ہے اور قاضی کا سخت گیر اور رعب و دبدہ کا حامل ہونا معیوب و مذموم شمار کیا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر دو مناصب کے تقاضے مختلف ہیں''(۵۰)۔

۳۔ ادارۂ مظالم

اسلامی ریاست کی حدود میں غیر معمولی توسیع کے بعد اسلامی معاشرہ میں غیر اسلامی روایات کے اثر و نفوذ اور اسلام کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کے ادبار و تنزل کے سبب رعایا کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے معمور بعض حکمرانوں کا اپنی رعایا پر ظلم و زیادتیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور سب لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو ان کی دست درازیوں سے روکنے کے لیے قضاء اور احتساب کے ادارے موثر کردار ادا کرنے سے عاجز آگئے تو ایک ایسے ادارے کی ضرورت محسوس کی گئی جو ریاست کے حکمران طبقوں کے ظلم و زیادتیوں کا ازالہ کر سکے اور مظلوموں کی دادرسی کے لیے کسی کا عہدہ اور مقام و مرتبہ اس کے لیے ڈھال نہ بن پائے۔

مظالم کا لغوی مفہوم(۵۱)

لغت میں مظالم ''مظلمۃ'' کی جمع ہے اور ظلم کے معنی زیادتی کرنے، کسی چیز کو بے

موقع استعمال کرنے اور غلط روش اختیار کرنے کے ہیں۔

مظالم کا اصطلاحی مفہوم(۵۲)

فقہاء کے نزدیک ''مظالم'' کے اصطلاحی معنی زیادتی کرنے والے کو پورے رعب و دبدبہ سے روکنے اور ظلم سے باز نہ آنے والے کی پوری قدرت و ہیبت کے ساتھ سرزنش کرنے کے ہیں۔

عدل گستری کے اسلامی اداروں میں سے یہ ادارہ صاحب اثر افراد، حکومت کے اعلیٰ عہدیداران اور سرکاری حکام کے ظلم و زیادتیوں کے ازالے کے لیے معرض وجود میں لایا گیا تھا۔ اسی لیے فقہاء نے والیٔ مظالم کے منصب کے لیے عام قاضی کے لیے مطلوب شرائط کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ اس عہدہ پر ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو معاشرے میں صاحب حیثیت اور اثر و نفوذ رکھتا ہو تاکہ وہ ریاست میں ظلم کا مرتکب ہونے والے ہر شخص پر، خواہ اس کا سماجی مقام کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، ہاتھ ڈال سکے۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں ''اس منصب کے حامل کے لیے ضروری شرط ہے کہ وہ معاشرے میں اعلیٰ مقام رکھتا ہو۔ اس کا حکم چلتا ہو، قوت و ہیبت کا مالک ہو، پاک دامن ہو، لالچی نہ ہو، خوف خدا رکھتا ہو۔ اس لیے کہ اس کے فرائض میں حکام کے ظلم اور چیرہ دستیوں کا نوٹس لینا ہے۔ لہٰذا اس میں عام قاضی کے لیے مطلوب صفات کے علاوہ متذکرہ صفات سے بھی متصف ہونا ضروری ہے۔(۵۳)

ادارہ مظالم کا دائرہ عمل

ادارہ مظالم کے دائرہ عمل میں دو طرح کے امور شامل ہیں ایک وہ جن کا وہ کسی متاثرہ فریق کی طرف سے دعویٰ کیے بغیر از خود نوٹس لے سکتا ہے اور دوسرے وہ جن کے لیے دعویٰ ضروری ہے۔ ہر دو طرح کے امور کی تفصیل درج ذیل ہے۔(۵۴)

اولاً: وہ امور جن کے لیے دعویٰ ضروری نہیں

۱۔ حکام اور اعلیٰ سرکاری افسران کے علام شہریوں کے ساتھ سلوک پر نظر رکھنا۔ عدل

و انصاف کی راہ سے انحراف پر ان کی باز پرس کرنا۔

۲۔ کارکنوں کی تنخواہوں کا جائزہ لیتے رہنا اور ان کے ساتھ ناانصافی کی صورت میں ناانصافی کا ازالہ کرنا۔

۳۔ مختلف وزارتوں کی آمدن و اخراجات اور اس پر مامور کارکنوں کے کام پر نظر رکھنا اور کسی کمی و بیشی کا جائزہ لے کر بددیانتی کے مرتکبین کو سزا دینا۔

۴۔ مساجد، فقراء اور دیگر کارخیر کے لیے وقف کی جانے والی املاک سے متعلق باخبر رہنا اور واقف کی شرائط کے مطابق جملہ اخراجات و انتظامات پر نظر رکھنا۔

۵۔ ظاہری عبادات مثلاً جمعہ، عیدین، حج اور جہاد وغیرہ کی ادائیگی میں شرعی طور پر مطلوب شرائط کی نگرانی۔

۶۔ مفاد عامہ سے تعلق رکھنے والے ان امور میں جو محتسب کے دائرہ اختیار میں ہیں، اگر محتسب کسی وجہ سے کارروائی کرنے میں ناکام ہو جائے تو ایسے امور میں مداخلت کرنا۔

ثانیاً: وہ امور جن کے لیے دعویٰ ضروری ہے

۱۔ کارکنوں کی مقرر شدہ اجرتوں میں کمی اور اجرتوں کی ادائیگی میں تاخیر کی شکایات۔

۲۔ حکام، اعلیٰ سرکاری افسران اور صاحب حیثیت لوگوں سے غصب شدہ اموال کی وصولی۔

۳۔ معروف مستحقین کے لیے وقف شدہ املاک میں پیدا ہونے والے تنازعات۔

۴۔ عام عدالتی فیصلوں کے نفاذ میں اپنی حیثیت اور اثر و نفوذ وغیرہ کی وجہ سے رکاوٹ بننے والے فریق کو عدالت کے حکم کے مطابق عمل کرنے کے لیے پابند کرنا۔

۵۔ کسی فریق کے دعویٰ پر متعلقہ تنازعہ میں حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا۔

اس تفصیل سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ عدل گستری کے اسلامی اداروں میں یہ ادارہ اگرچہ ادارہ احتساب کے ساتھ اس لحاظ سے مماثلت رکھتا ہے کہ ہر دو ادارے ظلم و تعدی کو روکنے کے لیے از خود کارروائی کرنے کے مجاز ہیں اور ہر دو اداروں میں فرائض سرانجام دینے کے لیے رعب و دبدبے کا حامل ہونا ضروری ہے، تاہم یہ ادارۂ قضا اور حسبہ کے اداروں کی نسبت اس لحاظ سے منفرد اور ممتاز ہے کہ اسلامی ریاست میں وہ تمام مقدمات،

جن کو نمٹانے میں قضاء اور حسبہ کے ادارے ناکام ہو جائیں، مظالم کے دائرہ عمل میں شامل ہو جاتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون(۵۵) لکھتے ہیں: ''یہ منصب خوف و دہشت کا متقاضی ہے تاکہ ظالم کی سرکوبی اور سرکش کو تنبیہ ہو سکے۔ اس طرح قضاء کی یہ قسم ان معاملات کو انجام تک پہنچاتی ہے جو قضاء کی دیگر اقسام کی دسترس سے باہر ہو جائیں''(۵۶)۔

۴۔ ادارۂ تحکیم

دنیا پر اسلام کی ضیاء پاشی سے قبل عرب معاشرے میں عدل گستری کے جو مختلف طریقے متعارف تھے ان میں ''ثالثی'' کا طریقہ سب سے نمایاں تھا۔ تنازعات کے تصفیے اور مخاصمات کے خاتمہ کے لیے ایسے افراد سے رجوع کیا جاتا تھا جن کی حکمت اور دانش مسلمہ ہو اور وہ صاحب حیثیت و نفوذ ہوں۔ بعض قبائل کے سردار تو موروثی طور پر بھی یہ ذمہ داری نبھاتے تھے۔ جیسے قبیلہ بنو تمیم کے سردار ''عکاظ'' کے میلوں کے دوران یہ فریضہ سرانجام دیتے تھے اور ان کے فیصلوں سے انحراف کو فریقین کے لیے ہی نہیں، ان کے قبائل کے لیے بھی باعث ندامت اور بدنامی سمجھا جاتا تھا(۵۷)۔ اسلام نے ''ادارہ تحکیم'' کے نام سے عدل گستری کے اس قدیم ادارے کو بحال رکھا اور اپنے سنہری اصولوں کی روشنی میں اسے منظم و مرتب کیا۔

''تحکیم'' کا لغوی مفہوم

لفظ ''تحکیم'' حکم سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی فیصلہ کرنے کے ہیں(۵۸)۔

''تحکیم'' کا اصطلاحی مفہوم

فقہاء کے نزدیک ''تحکیم'' کے اصطلاحی معنی فریقین کا آپس کے نزاع میں کسی تیسرے شخص کو فیصلہ کرنے کی ذمہ داری تفویض کرنا ہے(۵۹)۔ اگر فریقین اپنے باہمی نزاع کے لیے کسی فرد یا افراد کو ثالث مقرر کرتے ہوئے اس امر پر راضی اور متفق ہو جائیں کہ ثالث جو بھی فیصلے کریں گے تو وہ انہیں تسلیم کر لیں گے تو شرعی مفہوم میں ایسا کرنا ''تحکیم'' کہلائے گا(۶۰)۔ قرآن کریم کی آیت سورۃ النساء: ۳۵ میں میاں بیوی کے درمیان کسی نزاع

کی صورت میں اسی عمل کو اپنانے کا حکم دیتے ہوئے یہ ہدایت نازل ہوئی ہے کہ پیدا ہونے والے نزاع کو نمٹانے کے لیے ہر دو کی طرف سے ایک ثالث مقرر کیا جائے اور پھر ان کے فیصلے کے تحت اس نزاع کو دور کیا جائے۔

ادارہ تحکیم کا دائرہ عمل

ادارہ تحکیم کے دائرہ عمل میں صرف وہ معاملات شامل ہیں جنہیں ثالث مقرر کرنے والے فریقین خود بھی انجام دینے کے اہل ہوں۔ مثلاً مالی معاملات میں پیدا ہونے والے تنازعات، نکاح، طلاق، عتاق اور روزمرہ کے دیگر ایسے معاملات جن سے فریقین کے علاوہ کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو۔ حدود مثلاً زناء، سرقہ، قذف اور دیگر ایسے معاملات جن سے فریقین کے علاوہ بھی کسی کا حق متعلق ہو جیسے ولاء، نسب، لعان وغیرہ تو یہ اس ادارہ کے دائرۂ عمل سے باہر ہوں گے۔ اس بارے میں فقہاء یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ادارۂ تحکیم کے ذریعے فیصلہ صلح کی حیثیت رکھتا ہے، اور چونکہ متذکرہ معاملات میں صلح جائز نہیں اس لیے یہ اس ادارے کے دائرہ عمل سے باہر ہوں گے اور معاشرے میں انتشار و فساد کے سد باب کے لیے ان معاملات میں صرف حکومت کی مقرر کردہ عدالت ہی فیصلہ صادر کرنے کی مجاز ہوگی۔(۶۱)

علامہ علاؤالدین الطرابلسی لکھتے ہیں: ''فریقین ان امور میں ثالثی کے ذریعے فیصلہ کروا سکتے ہیں جنہیں خود انجام دے سکتے ہوں اور وہ حقوق العباد سے متعلق ہیں، ان امور میں یہ درست نہیں جنہیں وہ خود انجام نہ دے سکتے ہوں۔ جیسے حقوق اللہ۔ اس لیے مالی معاملات طلاق، عتاق، نکاح، قصاص اور مال مسروقہ کے ضمان میں تحکیم جائز ہے۔ لیکن حد زناء، سرقہ اور قذف وغیرہ میں جائز نہیں۔ اس لیے کہ تحکیم تفویض سے مماثل ہے اور صرف وہی امور دوسروں کو تفویض کیے جا سکتے ہیں جنہیں تفویض کرنے والا خود بھی انجام دے سکتا ہو۔ جنہیں وہ خود انجام نہ دے سکے ان کی تفویض کی طرح ان میں تحکیم بھی جائز نہیں ہوگی''۔(۶۲) علامہ ابن فرحون مالکی(۶۳) فرماتے ہیں: ''تحکیم میں فریقین مقدمہ خود فیصلہ کرنے والے کا تقرر کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں عدل گستری کا یہ ادارہ صرف مالی جھگڑوں سے

متعلق ہے اور حدود و قصاص و لعان وغیرہ اس کے دائرہ عمل میں شامل نہیں"[۶۴] علامہ ابن قدامہ الحنبلی[۶۵] فرماتے ہیں، "فریقین کا کسی ایسے شخص کو اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے مقرر کرنا جو منصب قضاء کی اہلیت رکھتا ہو، درست ہے اور ایسا فیصلہ نافذ ہوگا"[۶۶]۔

ادارۂ تحکیم کے دائرہ عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس ادارے کا دائرہ اختیار ادارہ قضاء کی نسبت بہت محدود ہے، چنانچہ حقوق اللہ، حقوق العباد اور دونوں حقوق میں مشترک تمام معاملات ادارہ قضاء کے دائرہ عمل میں شامل ہیں، جب کہ ادارہ تحکیم کے دائرہ عمل میں حقوق العباد سے متعلق بھی صرف وہ معاملات آتے ہیں جن سے فریقین مقدمہ کے علاوہ کسی اور کا حق متعلق نہ ہو، علاوہ ازیں ادارہ تحکیم میں فریقین حکم کو اپنی باہمی رضامندی اور اتفاق سے فیصلہ کرنے کے لیے مامور کرتے ہیں جبکہ ادارہ قضاء میں قاضی کا تقرر حکومت خود کرتی ہے اور اس میں فریقین مقدمہ کی مرضی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۃ المائدہ، آیت ۴۸

۲۔ سورۃ النساء، آیت ۶۵

۳۔ چنانچہ حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن اور حضرت عتابؓ بن اسید کو مکہ مکرمہ میں انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مخاصمات و تنازعات کے تصفیہ کا فریضہ بھی سونپا گیا اور اس مقصد کے لیے انہیں خصوصی طور پر ہدایات دی گئیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: البخاری، کتاب الاعتصام، حدیث ۷۳۵۲، المسلم: کتاب الاقضیہ، حدیث ۱۷۱۶، ابو داؤد: کتاب الاقضیہ، احادیث ۳۵۷۴، ۳۵۸۲، ۳۵۹۲، ۳۵۹۳، الترمذی: کتاب الاحکام، احادیث، ۱۳۳۱، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ابن ماجہ: کتاب الاحکام، احادیث ۲۳۱۰، ۲۳۱۴، مسند الامام احمد: ج۱، ص ۸۳-۸۴، السنن الکبریٰ: للبیہقی، ج۱۰، ص ۸۶، تحفۃ الاشراف ج۸، ص ۱۵۸۔

۴۔ چنانچہ مختلف اوقات میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت معقلؓ بن یسار اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یہ ذمہ داری نبھانے کے لیے خصوصی طور پر مامور کیا گیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: سنن الدار قطنی، ج۴، ص ۲۰۳ تا ۲۰۹، سنن الکبریٰ للبیہقی، ج۱۰، ص ۱۵۰، کنز العمال

ج ۵، ص ۸۰۲

۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت ابن ہشام صفحات ۳۴۱ تا ۳۴۴ (طبع گاٹن حسن ۱۸۷۰)

۶۔ لفظ ''قضا'' کے لغوی مفہوم کے لیے دیکھیے: اسماعیل بن حماد الجوہری، تاج اللغۃ وصحاح العربیہ ج ۶ ص ۲۴۶۳ (تحقیق احمد عبدالغفور عطار، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۸۲ء)، محمد بن ابوبکر عبدالقادر الرازی۔ مختار الصحاح ص ۵۴۰ (دارالتراث العربی للطباعۃ والنشر، القاہرہ) محمد بن بکر بن منظور المصری: لسان العرب ج ۱۵، ص ۱۸۶، (دار بیروت للطباعث والنشر، ۱۹۵۶)، احمد بن محمد بن علی المقری الفیومی: المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، ج ۲، ص ۵۰۷ (المطبعۃ العلمیۃ بیروت)۔

۷۔ سورۃ النساء، آیت ۱۰۳

۸۔ سورۃ حٰم السجدۃ، آیت ۱۲،

۹۔ سورۃ السباء، آیت ۱۴

۱۰۔ سورۃ الانعام، آیت ۶۰

۱۱۔ ان کا پورا نام محمد بن احمد الھروی الشافعی تھا اور ابو منصور الازہری کی کنیت سے مشہور تھے۔ موصوف کا شمار علوم لغت اور نحو و صرف کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ ان کی متعدد تصانیف میں سے تہذیب اللغۃ، شرح الفاظ مختصر المغنی اور التقریب بہت مشہور ہیں۔ انہوں نے ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔
دیکھیے: جمال الدین عبدالرحیم الاسنوی: طبقات الشافعیۃ، ج ۱، ص ۴۹، (دارالعلوم للطباعۃ والنشر، ۱۹۸۱ء) ابوالفلاح عبدالحیٔ بن العماد الحنبلی: شجرات الذھب فی اخبار من ذھب ج ۳ ص ۷۲ (مطابع دارالسراج بیروت، ۱۰۸۹ھ)

۱۲۔ ابومنصور محمد بن احمد بن الازہری: تہذیب اللغۃ، ج ۹، ص ۲۱۱، (مطابع سجل العرب القاھرہ)

۱۳۔ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۷ ص ۱، (دارالکتاب العربی بیروت، الطبعۃ الثانیۃ)

۱۴۔ محمد امین عابدین الشہیر بابن عابدین: ردالمختار علی الدر المختار ج ۵ ص ۳۵۲ (مطبعۃ مصطفی الحلبی القاہرۃ، الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۶۶ء)

۱۵۔ دیکھیے: الشیخ نظام: الفتاویٰ العالمکیریہ المعروفہ بالفتاویٰ الہندیہ، ج ۳، ص ۳۰۶ (المطبعۃ الامیریہ القاھرہ، الطبعۃ الثانیہ، ۱۳۱۰ھ)

۱۶۔ القاضی ابراہیم بن علی بن محمد بن فرحون المدنی: تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ و مناہج الاحکام ج ۱، ص ۱۲ (مطبعۃ المصطفیٰ الحسلبی بالقاھرۃ، الطبعۃ الاخیرۃ ۱۹۵۸ء) ، محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن الطرابلسی المغربی المعروف بالحطاب: مواھب الجلیل شرح مختصر خلیل ج۶ ص ۸۶ (المطبعۃ النجاح-طرابلس، لیبیا)

۱۷۔ ابو عبداللہ محمد الخرشی: شرح الخرشی علی المختصر خلیل، ج۷، ص ۱۳۸ (المطبعۃ الامیریۃ۔ بمصر)

۱۸۔ شمس الدین محمد بن احمد الشربینی الخطیب: مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج ج۴ ص ۳۷۲ (دارالفکر-بیروت) الشیخ ابراہیم الباجوری: حاشیہ- الباجوری علی شرح ابن قاسم الغزی ج۲ ص ۳۲۵ (مطبع محمد علی صبیح بمصر ۱۹۵۷)

۱۹۔ منصور بن یونس بن ادریس البھوتی: شرح منتہی الارادات ج۳ ص ۵۷۱ (المطابعۃ العامرۃ الشرفیۃ، الطبعۃ الاولی ۱۳۱۹ھ) منصور بن یونس البھوتی: الروض المربع بشرح زاد المستقنع ج ۲ ص ۳۶۵ (المطبعۃ السلفیۃ۔ القاہرہ، الطبعۃ السابقۃ، ۱۳۹۲ھ)

۲۰۔ ان کا پورا نام منصور بن یونس بن صلاح الدین البھوتی تھا۔ فقہاء حنابلہ میں بہت بلند پایہ مقام کے حامل ہیں۔ ان کی تصنیف میں کشاف القناع، شرح المنتہی الارادات اور الروض المربع شرح زاد المستقنع بہت مشہور ہیں۔ انہوں نے ۱۰۵۱ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے: محمد المحبی: خلاصۃ الاثر فی أعیان القرآن الحاد، عشر ج۴ ص ۴۲۶ (المطبعۃ الوھبیۃ۔ مصر ۱۳۸۴ھ) عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین ج۱۳۰ ص ۲۲، دار أحیاء التراث العربی للطباعۃ والنشر۔ بیروت)۔

۲۱۔ منصور بن یونس بن ادریس البھوتی: کشاف القناع عن متن الاقناع ج۶ ص ۲۸۹ (مکتبۃ النصر الحدیثۃ۔ الریاض)

۲۲۔ ان کا پورا نام علی بن خلیل الطرابلسی تھا اور ابوالحسن علاء الدین سے مشہور تھے۔ فقہاء احناف میں بلند پایہ مقام کے حامل ہیں۔ کچھ عرصہ کے لیے بیت المقدس کے علاقہ میں قاضی کے منصب پر مامور رہے۔ ان کی کتابوں میں سے معین الحکام نے بہت شہرت پائی جو زیادہ تر اسلام کے عدالتی نظام ہی سے متعلق ہے۔ انہوں نے ۸۴۴ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے: مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ: کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ج۲، ص ۱۷۴۵ (وکالۃ المعارف- بمصر ۱۳۲۶ھ)، یوسف الیان سرکس: معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ ص ۱۲۳۶، مصر ۱۹۲۸)

۲۳۔ علاء الدین ابوالحسن علی بن خلیل الطرابلسی: معین الحکام فی ما یتردد بین الخصمین من الاحکام ص ۱۲،

(مطبعۃ مصطفیٰ الحلبی بمصر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۹۳ھ)

۲۴۔ ادارہ قضاء کے دائرہ عمل کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی: ادب القاضی ج۱ ص ۱۶۲ تا ۱۷۲ (مطبعۃ المعانی ۱۳۹۲ھ) الماوردی: الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ ص ۷۰ تا ۷۱ (مطبعہ مصطفیٰ الحلبی بمصر الطبعۃ الاولی ۱۳۸۰ھ) ابویعلی محمد بن الحسن الفراء: الاحکام السلطانیہ ص ۶۵ تا ۶۶ (مطبعہ مصطفیٰ الحلبی بمصر، الطبعۃ الثانیہ ۱۹۶۶ء) علاء الدین ابی الحسن علی بن سلیمان المرداوی: الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف علی مذہب الامام احمد بن حنبل ج۱۱، ص ۱۶۲ (مطبعہ السنۃ المحمدیۃ بالقاہرۃ۔ الطبعۃ الاولی ۱۹۵۵ء)

۲۵۔ جبکہ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک ہر دو اقسام کے حقوق میں ادارہ قضاء کی کسی کارروائی کے لیے دعویٰ ضروری ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج۷، ص ۷ (دارالکتاب العربی بیروت، الطبعہ الثانیہ)۔

۲۶۔ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک یہ معاملہ اسی صورت میں ادارہ قضاء کے دائرہ عمل میں شامل ہو سکتا ہے جبکہ مدیون اور صغیر کی سرپرستی کے لیے اس کے اپنے شرعی ورثاء از قسم عصبات، ذوی الارحام یا مولی الموالات میں سے کوئی بھی دستیاب نہ ہو۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد امین عابدین الشہیر بابنِ عابدین: رد المختار علی الدرالمختار ج۲، ص ۴۳۹۔

۲۷۔ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک ہر اس شخص کے تصرفات پر پابندی عائد کرنا ادراہ قضاء کے دائرہ عمل میں شامل ہے جس کے تصرفات مفاد عامہ کے خلاف ہوں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم: البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۶ ص ۲۹۶

۲۸۔ فقہاء نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ کفو دستیاب ہونے کی صورت میں یتیمہ کا نکاح نہ کروانا ظلم ہے اور ظلم رفع کرنا ادارہ قضاء کے دائرہ عمل میں داخل ہے۔ دیکھیے: شامی ج ۲ ص ۲۹۶

۲۹۔ فقہاء اسلام کے نزدیک اگر موقوف علیہ کے تعین کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا تعین صرف ادارہ قضاء کے دائرہ عمل میں ہوگا اور قاضی ہی کا فیصلہ حتمی سمجھا جائے گا۔ دیکھیے: بحر الرائق ج۶ ص ۲۹۶

۳۰۔ علامہ ماوردی نے اس کی تفصیل میں یہ لکھا ہے کہ اگر متذکرہ صورت میں کسی کے دعوے کی صورت میں یہ عمل ادارہ قضاء کے دائرہ عمل میں شامل ہوگا اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں یہ ادارہ

احتساب کے دائرہ کار میں آئے گا۔ اگر اس عمل کی چھان پھٹک اجتہاد کی محتاج ہو تو یہ ذمہ داری ادارہ قضاء کی ہوگی اور ادارہ احتساب اجتہاد کے نتیجے میں ہونے والے فیصلے پر عملدرآمد کا پابند ہوگا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ ادب القاضی ج ۱ ص ۱۶۷۔

۳۱۔ افتاء کے لغوی مفہوم کے لیے دیکھیے: محمد بن بکر بن منظور المصری: لسان العرب ج ۱۵ ص ۱۴۷ (دار بیروت للطباعۃ والنظر، ۱۹۵۶)، مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی: القاموس المحیط ج ۴، ص ۳۷۵ (مطبعۃ مصطفیٰ الحابی بمصر، ۱۳۵۱ھ)۔

۳۲۔ علاء الدین ابو الحسن علی بن سلیمان الروانی: الانصاف فی معرفۃ الراج من الخلاف علی مذہب الامام احمد بن حنبل، ج ۱۱، ص ۱۸۶ء (مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ بالقاہرہ، الطبعۃ الاولی، ۱۹۵۵ء)

۳۳۔ آپ کا اسم گرامی نعمان بن ثابت بن زوطی ہے۔ حنفی مسلک کے امام ہیں۔ بعض جلیل القدر صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت معقلؓ بن یسار اور انسؓ بن مالک سے آپ کی ملاقات اور صحبت بھی ثابت ہے۔ عباسی خلیفہ منصور نے انہیں قضاء کا منصب سنبھالنے کی پیشکش کی جو انہوں نے قبول نہ کی۔ ان کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ: ''ہم لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے بچے ہیں، ان کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ دیکھیے محی الدین ابو محمد عبدالقادر القرشی الحنفی: الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ، ج ۱، ص ۲۶-۱۷ (مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف۔ حیدر آباد ۱۳۳۲ھ)، ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی ابو اسحاق الشیرازی: طبقات الفقہاء ص ۶۷ (المکتبۃ العربیۃ بغداد ۱۳۵۶ھ) ابو الفلاح عبدالحی بن العماد الحنبلی: شجرات الذہب فی اخبار من ذہب ج ۱، ص ۲۲۷۔ ۲۲۸ (مطابع دارالسراج، بیروت)۔

۳۴۔ محمد ابوزہرہ: اصول الفقہ ص ۳۲۱ تا ۳۲۳ (دارالنہاء للطباعۃ، مصر)۔

۳۵۔ ان کا پورا نام ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابو بکر بن ایوب الدمشقی تھا اور ابن قیم الجوزیہ سے مشہور تھے۔ بہت بڑے فقیہ، اصولی اور مجتہد تھے۔ ان کی تصانیف میں ''اعلام الموقعین عن رب العالمین، الروح، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد اور مفتاح دارالسعادۃ بہت مشہور ہوئیں۔ انہوں نے ۷۵۱ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے: زین الدین ابو الفرج عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی: الذیل علی طبقات الحنابلہ ج ۲، ص ۴۴۷۔ ۴۵۰ (مطبعۃ السنۃ المحمدیہ۔ القاہرہ ۱۹۵۲ء) شجرات الذہب فی اخبار من ذہب ج ۶، ص ۱۶۸۔ ۱۷۰۔

۳۶۔ ابن قیم الجوزیہ: اعلام الموقعین عن رب العالمین ج۱، ص ۳۶ (مطبعۃ المدنی، القاہرہ ۱۳۹۸ھ)

۳۷۔ ان کا نام شہاب الدین احمد بن ادریس المالکی تھا اور ابوالعباس القرانی سے مشہور تھے۔ مالکی مسلک کے جلیل القدر ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی تصانیف میں الفروق، الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام، التنقیح اور الذخیرہ بہت مشہور ہیں۔ وفات ۶۸۴ھ میں ہوئی۔ دیکھیے: القاضی برہان الدین ابراہیم بن علی بن محمد بن فرحون المالکی الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب ج۱، ص ۲۳۶ تا ۲۳۹ (دارالتراث الطبع والنشر۔ القاہرہ)، محمد بن مخلوق: شجرۃ النور الزکیۃ فی طبقات المالکیۃ ص ۱۸۸-۱۸۹ (المطبعۃ السلفیہ۔ القاہرہ ۱۳۴۹ھ)

۳۸۔ شہاب الدین احمد بن ادریس المالکی القرافی: الاحکام فی تمیز الفتاویٰ عن الاحکام ص ۳۸، ۸۱ (مکتب المطبوعات الاسلامیۃ۔ حلب سوریا ۱۹۶۷)۔

۳۹۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین، ج۱، ص ۳۸

۴۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ ابوالعباس احمد بن ادریس المصری: الفروق فی انواع الفروق ج۴، ص ۴۸-۴۹ (دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت)

۴۱۔ ''حسبۃ'' کی اصطلاحی مفہوم کے لیے دیکھیے: اسمٰعیل بن حماد الجوہری: تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ ج۱، ص ۱۰۹-۱۱۰ (الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۸۲ء) مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی: القاموس المحیط ج۱، ص ۵۶-۵۷، (مطبعۃ المصطفی الحلبی۔ مصر ۱۳۷۱ھ)

۴۲۔ سورۃ الطلاق، آیت ۲-۳

۴۳۔ ''حسبۃ'' کے اصطلاحی مفہوم کے لیے دیکھیے: ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی: الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ ص ۲۴۰ (مطبعۃ مصطفی الحلبی، بمصر، الطبعۃ الاولی ۱۳۸۰ھ)، عبدالرحمٰن بن نصر الشیرازی: نہایۃ الرتبہ فی طلب الحسبۃ ص ۶ (دارالثقافۃ بیروت۔ الطبعۃ الثانیۃ (۱۴۰ھ)

۴۴۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۴

۴۵۔ صحیح مسلم (ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین، مطبوعۃ سعودیۃ، ص ۱۲۵)

۴۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: انور الرفاعی: الاسلام فی حضارتہ ونظمہ ص ۱۷۴ (دارالفکر، دمشق الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۸۲ء)

۴۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن قیم الجوزیۃ: الطریق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ ص ۲۴۵ (مطبعۃ المدنی

القاہرۃ ۱۳۹۸ھ)

۴۸۔ ادارہ احتساب کے دائرہ عمل کے لیے دیکھیے: الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۲۴۳ تا ۲۵۰، الاحکام السلطانیۃ لابی یعلی ص ۲۸۷ تا ۳۰۷، ابو حامد محمد الغزالی: احیاء علوم الدین ج۷ ص ۱۲۳۸ تا ۱۳۴۹ (دارالشعب-القاہرہ)، نہایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبۃ ص ۱۱، شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبدالحکیم ابن تیمیہ: الحسبۃ فی الاسلام ص۹ (دارالکتب العربیۃ ۱۹۶۷) الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ ص ۲۴۹، العلامۃ عبدالرحمٰن بن خلدون المغربی: تاریخ ابن خلدون ج۱ ص ۹۸۸ (دارالطبعۃ الخدیویہ بولاق۔ مصر ۱۲۸۴ھ)

۴۹۔ ان کا اسم گرامی علی بن محمد بن حبیب ابوالحسن الماوردی تھا۔ شافعی مسلک کے ائمہ اور صدر اسلام کے مشہور قضاء میں سے تھے۔ تصانیف میں الحاوی، ادب القاضی، الاحکام السلطانیۃ اور سیاست الملک نے بہت شہرت پائی۔ وفات ۴۵۰ھ میں پائی۔ دیکھیے: طبقات الفقہاء للشیرازی ص ۱۱۰، شجرات الذھب ج ۳، ص ۲۸۵-۲۸۶

۵۰۔ الاحکام السلطانیۃ ص ۲۴۲

۵۱۔ ''مظالم'' کے لغوی مفہوم کے لیے دیکھیے: مختار الصحاح ص ۴۰۵، القاموس المحیط ج۴ ص ۱۴۷-۱۴۸

۵۲۔ الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۷۷

۵۳۔ الاحکام السلطانیہ ص ۸۰

۵۴۔ ادارہ مظالم کے دائرہ عمل کے لیے دیکھیے: الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۸۰ تا ۸۳، الاحکام السلطانیہ للفراء ص ۷۶ تا ۷۹، عبدالحی الکتانی: التراتیب الا داریۃ ج۱، ص ۲۷۷ (دارالاحیاء التراث العربی-بیروت)، تاریخ ابن خلدون ج۱، ص ۱۸۵۔

۵۵۔ ان کا پورا نام عبدالرحمٰن بن خلدون ولی الدین الحضرمی الاشبیلی تھا۔ نامور تاریخ دان اور عالم تھے۔ ان کی تصانیف میں مقدمہ ابن خلدون، شرح البروہ اور شفاء السائل لتھذیب المسائل بہت مشہور ہیں۔ انہوں نے ۸۰۸ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے: شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی: الضوء اللامع لاھل القرن التاسع۔ ج۴ ص ۱۴۵ (منشورات دارالمکتبۃ الحیاۃ بیروت) نفح الطیب ج۸ ص ۲۷۷

۵۶۔ تاریخ ابن خلدون ج۱، ص ۲۲

۵۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت ابن ہشام، ص ۷۹

۵۸۔ تحکیم کے لغوی مفہوم کے لیے دیکھیے: المصباح المنیر ج۱، ص ۱۴۵، القاموس المحیط ج۴ ص ۹۹

۵۹۔ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم: البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۷، ص ۲۴، (دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر۔ بیروت، الطبعۃ الثانیۃ)

۶۰۔ رد المحتار ج۴، ص ۴۸۲

۶۱۔ البحر الرائق ج۷، ص ۲۶، تبصرۃ الحکام ج۱، ص۱۹

۶۲۔ معین احکام ص ۲۷-۲۸

۶۳۔ ان کا اسم گرامی ابراہیم بن علی بن محمد ابن فرحون برہان الدین الیسری تھا۔ اپنے زمانہ کے بلند پایہ عالم فقیہ، قاضی اور مالکی علماء میں منفرد مقام کے حامل تھے۔ ان کی تصانیف میں تبصرۃ الحکام فی اصول قضیہ و مناہج الاحکام، الدیباج المذہب اور طبقات علماء مغرب مشہور ہیں۔ ان کی وفات سال ۷۹۹ھ میں ہوئی۔ دیکھیے: ابو القاسم محمد الحشناوی بن ابو القاسم الدیلسی: تعریف الخلف برجال السلطف ج۱، ص ۱۹۷ (طبعۃ الجزائر ۱۹۰۶) عبداللہ مصطفیٰ المراغی: الفتح المبین فی طبقات الاصولیین ج۲، ص ۲۱۱ (محمد امین و شرکاء- بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۷۴)

۶۴۔ تبصرۃ الاحکام ج۱ ص ۱۹

۶۵۔ ان کا نام موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ الحنبلی تھا۔ حنبلی مسلک کے کبار علماء کرام میں سے تھے۔ فقہ، اصول، نحو و صرف اور وراثت جیسے علوم پر انہیں دسترس حاصل تھی۔ ان کی تصانیف میں المغنی، الکافی، المقنع اور روضۃ الناظر بہت مشہور ہیں، انہوں نے ۶۲۰ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے زین الدین ابو الفرج عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی: الذیل علی طبقات الحنابلہ ج۲ ص ۱۳۳ (مطبعۃ السنۃ المحمدیہ۔ القاہرہ ۱۹۵۲ء) شجرات الذہب فی اخبار من ذہب ج۵، ص ۸۸

۶۶۔ عبداللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی: المغنی علی مختصر الخرقی ج۹ ص ۱۰۷، (مطبعۃ دارالمنار، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۶۷ھ)۔